خالد محمود سنجرانی*

مقامی شعری اصناف میں مظفر علی سید کی تخلیقی امنگ

مظفر علی سید، 'موج دریا' کے قلمی نام سے ہندی اسلوب میں دوہے، گیت اور بھجن بھی لکھا کرتے تھے۔ ۱۹۵۰-۵۱ء کے مجلّے راوی اور انتظار حسین کی زیر ادارت شائع ہونے والے رسالے خیال میں موج دریا کے نام سے جو گیت اور چند بھجن شامل ہیں، وہ مظفر علی سید ہی کی تخلیق ہیں۔ ان کے اصل نام سے شائع ہونے والے دوہے، گیت اور بھجن ان کے سوا ہیں۔ بعض صورتوں میں قلمی نام مغالطے کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے پہلا سوال مظفر علی سید کے اس قلمی نام کی حقیقت سے وابستہ ہے کہ 'موج دریا' مظفر علی سید کا قلمی نام ہے یا کسی اور کا۔ انتظار حسین، شہزاد احمد، ڈاکٹر سہیل احمد خاں اور شاہد حمید، یہ سبھی سید صاحب کے قدیمی احباب ہیں اور 'موج دریا' کی رمز سے واقف بھی۔ تاہم مظفر علی سید کے اس قلمی نام کی تصدیق تحریری شواہد سے بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خاں لکھتے ہیں:

> شروع میں جب وہ ہندی لہجے کے گیت اور بھجن لکھتے تھے تو انھوں نے اپنا قلمی نام 'موج دریا' منتخب کیا تھا۔[1]

ان کے اس قلمی نام کی دستاویزی تصدیق مجلّہ راوی کے ایک شمارے سے بھی ہوتی ہے۔[2]

قلمی نام اختیار کرنے کی کچھ سیاسی اور نفسیاتی وجوہ ہوتی ہیں جو اپنی جگہ خاصی دلچسپ بھی

ہوا کرتی ہیں (اس طرز کا مطالعہ الگ سے ایک مقالے کا متقاضی ہے)۔ دیکھنا یہ ہے کہ مظفر علی سید نے دوہوں اور گیتوں کے لیے قلمی نام کیوں منتخب کیا۔ قیاس اس طرف کئی اشارے کرتا ہے۔ سید صاحب جلد ہی پاکستان ایئر فورس سے وابستہ ہو گئے تھے۔[۳] اس طرح کی ملازمتوں کے دوران میں اشاعت کے لیے بھیجی جانے والی تحریریں پہلے متعلقہ حکام کو دکھانی پڑتی ہیں۔ سماج یا اداروں میں اس طرح کی پابندیوں میں جکڑی تخلیقی امنگ کبھی کبھار قلمی ناموں کی آڑ بھی لے لیا کرتی ہے تاہم، حقائق سے اس قیاس کی نفی ہوتی ہے کیونکہ ایئر فورس کی ملازمت سے قبل ہی مظفر علی سید کے گیت اور کبھی 'موج دریا' کے قلمی نام سے شائع ہو چکے تھے۔[۴]

'موج دریا' کے قلمی نام کے انتخاب میں مظفر علی سید کی افتادِ طبع کا بڑا دخل دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے جب لکھنا شروع کیا تو وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھے اور نیو ہاسٹل میں مقیم تھے۔ ہاسٹل میں بقول انتظار حسین "بیٹھ کر ایک پورا حلقہ ارادت پیدا کر لیا تھا۔ اب تو وہ ہوسٹل سے اس طرح نکلتا تھا جیسے امام باڑے سے ذوالجناح برآمد ہوتا ہے۔"[۵] اس عہد کی چند یادوں کو غالب احمد نے زندہ کیا ہے کہ جن سے مظفر علی سید کی افتادِ طبع کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے اور جن سے ان کے قلمی نام کی معنویت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

> ان دنوں تحلیل نفسی والوں کے ہاں ایذا طلبی (masochism) اور جفا کوشی (sadism) کا بہت چرچا تھا۔ شاہ جی نے بھی اپنے اوپر اور اپنے دوستوں پر تجربے کرنا شروع کر دیے۔ کوئی دوست ان کے پاس بیٹھا ہوا کوئی ادبی حوالہ پڑھ کر سنا رہا ہے تو اچانک شاہ صاحب اپنے منہ میں آفس پن کی نوک سے اس کے کندھے میں سوراخ کھودنے لگتے۔ وہ تلملا اٹھتا "ارے بھائی کوئی بات نہیں یونہی دیکھا ہے کہ تم کس طرح چونک اٹھتے ہو"...... ایک رات شاہ جی نیو ہاسٹل کی چھت پر ضلع کچہری کی سامنے والی دیوار کی منڈیر پر رات بھر سوتے جاگتے اوندھے منہ لیٹے رہے۔ اس اذیت سے دوچار ہونے کے لیے کہ کب اونگھ آئے اور گروں اور مروں اور خود کو گرتے مرتے دیکھوں......
>
> اپنے روم میٹ حنیف رامے کو اپنی بغل میں بٹھا کر اس کے بازو کی کلائی قابو میں کی اور کلائی پر چپکے سے ریزر بلیڈ پھیر دیا۔ سوچا زخم کی معمولی دھار لگے گی لیکن رامے کی

> کلائی پر یہ زخم اتنا گہرا لگا کہ خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔مظفر علی سید نے بہتا ہوا خون نہیں دیکھا تھا، سو دیکھ لیا......
>
> انھی دنوں کسی خاص شخصیت یا دوست کی وفات ہوئی۔اب نام یاد نہیں ۔مظفر علی سید نے اس کے غم میں جو دو چار آنسو بہائے، وہ بطور ''عطرِ تعزیت ''ایک چھوٹی سی خوبصورت عطر کی شیشی میں محفوظ کر لیے......[۶]

مظفر علی سید کے زمانۂ طالب علمی کے یہ چند واقعات ان کے قلمی نام کی نفسیاتی توجیہہ کے چند بلیغ اشارے ہیں۔ان کی شخصیت علم کے اس قلعے کے مانند دکھائی دیتی ہے کہ جس کے اندھے تہ خانے میں ایک جوگی مقید ہو کر رہ گیا ہو۔مزاجاً وہ تخلیقی آدمی تھے۔موج دریا کا سا انداز ان کے ہاں آخری سانسوں تک قائم رہا۔[۷]

بنجارا، فقیر، سادھو، داسی، موج دریا وغیرہ ایسے کردار دوہے، بھجن اور گیت کی تہذیبی روایت کے قریب تر حوالے ہیں۔شاید انھی حوالوں سے متاثر ہو کر عرش صدیقی نے 'عادل فقیر' کے قلمی نام سے اور سید صاحب نے 'موج دریا' کے نام سے دوہے لکھے۔مجموعی طور پر دیکھا جائے تو سید صاحب کے قلمی نام کی نفسیاتی اور تہذیبی تعبیریں کئی انداز سے کی جا سکتی ہیں لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ انھوں نے اس قلمی نام کو تہذیبی پس منظر، دوہے سے اس کی جڑت اور اپنے غالب نفسیاتی رجحان کے تحت منتخب کیا ہوگا۔

اب اسے قلمی نام کا اعجاز کہیے یا مظفر علی سیّد کی عالمانہ شان وشوکت کا چرچا کہ اردو دوہا نگاری اور گیت نویسی کے حوالے سے اب تک جو تحقیقی وتنقیدی کام سامنے آیا ہے، اس میں روایت کے طور پر بھی مظفر علی سیّد کا نام نہیں ملتا۔عرش صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے ''پاکستان میں اردو دوہا نگاری'' میں ان دوہا نگاروں[۸] کا بھی تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اپنے تخلیقی سفر میں چار پانچ دوہے کہے۔اس مقالے میں انھوں نے پاکستان کے دوہا نگاروں کے دوہوں کی تعداد کا تعین کیا ہے۔ایسی صورتِ حال میں مقالہ نگار سے وابستہ توقعات بڑھ جاتی ہیں۔تاہم، حقیقت یہ ہے اس مقالے میں مظفر علی سیّد کے دوہوں کا حوالہ موجود نہیں۔

عرش صدیقی کے ہاں مظفر علی سیّد کو نظر انداز کرنے یا بھول جانے پر حیرت اس لیے بھی

زیادہ ہوتی ہے کہ دونوں ایک ہی زمانے میں گورنمنٹ کالج، لاہور میں پڑھتے رہے اور دونوں کا ایک دوسرے سے ربط بھی تھا۔ مظفر علی سیّد نے راوی میں عرش صدیقی کی ایک نظم[9] بھی شائع کی تھی۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مظفر علی سیّد کے گیت اور دوہے راوی میں شائع ہو رہے تھے۔ دوہا نگاری کے فن اور روایت پر جمیل الدین عالی کے مضامین[10] میں بھی مظفر علی سیّد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ جامعات میں اردو دوہا نگاری پر ایم فل کی سطح کے تحقیقی مقالات[11] کی بھی یہی صورتِ حال ہے۔ پاکستان میں گیت اور بھجن پر ہونے والا تحقیقی و تنقیدی کام[12] بھی مظفر علی سیّد کے گیتوں کے تذکرے سے خالی ہے۔ اردو تحقیق و تنقید کی دنیا ابھی تک مظفر علی سیّد کی تخلیقی جہت سے قدرے نا آشنا ہے۔ ان کے دوہوں اور گیتوں کی بازیافت کرنا اور ان اصناف کی روایت میں ان کے مرتبے کا تعین کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ پاکستان میں دوہے اور گیت نگاری کے حوالے سے بانیوں میں شامل ہیں۔

اگر مظفر علی سیّد نے ستر، اسی کی دہائی میں یا زندگی کے اواخر میں چند دوہے اور گیت لکھے ہوتے تو شاید ان اصناف کی روایت میں ان کا کوئی نمایاں مرتبہ نہ ہوتا لیکن معاملہ یہ ہے کہ انھوں نے ان اصناف کو تاریخ کے ایک نازک دھارے پر اختیار کرتے ہوئے ان کی بقا اور تسلسل میں اہم کردار ادا کیا، جسے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ تب نوزائیدہ اسلامی مملکت کے تہذیبی تشخص کا دھارا ہند اسلامی ثقافتی ڈھانچے سے الگ کسی بنیاد کا متلاشی تھا۔ تہذیبی تشخص کی یہ بحث ابتدائی برسوں میں نہ جانے کتنی تہذیبوں کی میراث کو کھنگال آئی تھی۔ سندھ میں محمد بن قاسم کی آمد کے ساتھ ساتھ موہنجو داڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا کی خستہ بنیادوں تک نگاہوں نے رسائی حاصل کی۔ بڑی شدومد کے ساتھ سوالات اٹھائے گئے۔ حلقۂ اربابِ ذوق پر یونس جاوید کی مرتبہ کتاب سے ان مباحث کی فکری فضا کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نوع کے تہذیبی مباحث نے کئی ذیلی مسائل کو بھی جنم دیا جن میں پاکستانی اور ہندوستانی ادب کی تقسیم کا معاملہ سرِفہرست ہے۔

ادب کے تشخص کی اس جستجو میں وہ اصنافِ سخن کڑی آزمائش سے گذریں کہ جن کی بنیاد ہندی بحور، روایات، اسالیب اور اساطیر پر قائم تھیں۔ اسی فضا میں میراجی کے گیتوں کی قبولیت سوالیہ نشان بن گئی تھی۔ اس فکری کشاکش نے منٹو ایسے بے مثل افسانہ نگار کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور یہ سوچنے پر

مجبور ہو گیا تھا کہ اس نے جو کچھ ۱۹۴۷ء سے قبل ہندوستان میں رہ کر لکھا ہے، وہ ہندوستانی ادب کہلائے گا یا پاکستانی ادب اور جو کچھ اب وہ پاکستان میں تخلیق کر رہا ہے، اسے کیا نام دیا جائے گا۔ ’’ٹوبہ ٹیک سنگھ‘‘، ’’موتری‘‘، ’’ٹیٹوال کا کتا‘‘ ایسے افسانوں کو اس فکری تناظر میں بھی دیکھنا چاہیے۔

مظفرعلی سیّد کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے پاکستان کے تہذیبی تشخص کا سوال اٹھنے سے قبل ہی تخلیقی سطح پر ہند اسلامی مشترکہ تہذیب کی اہمیت کو تسلیم کیا اور ان اصنافِ سخن میں اپنی تخلیقی امنگ کا اظہار کیا جو خالصتاً ہندوی اسالیب و روایات پر مبنی تھیں۔ ان کے دوہوں اور گیتوں کا ہندی لہجہ یہ واضح کرتا چلا گیا کہ یہ اصناف بھی ہماری تخلیقی میراث ہیں۔ اگر اس عہد میں مظفرعلی سیّد، الیاس عشقی اور جمیل الدین عالی آگے بڑھ کر ان اصنافِ سخن کو نہ تھامتے تو ممکن تھا تہذیبی تشخص کی اس فکری جنگ میں دوہا اور گیت، مثنویوں اور قصیدوں کے مانند متروک ہو چکے ہوتے۔ مظفرعلی سیّد نے تخلیقی سطح پر جو بار اٹھایا، اس کا بیڑہ بہت بعد میں جا کر انتظار حسین نے اپنی کہانیوں میں اٹھایا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مظفرعلی سیّد پاکستان میں دوہا نگاری اور گیت نویسی کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ غالب احمد کی اس رائے سے اختلاف کی گنجائش اگرچہ موجود ہے لیکن یہ رائے اپنی جگہ پر چونکاتی ضرور ہے:

> اسی زمانہ (طالب علمی) میں اس نے دوہے لکھے اور خوب لکھے۔ جمیل الدین عالی نے دوہے بھی انھی دنوں لکھنے شروع کیے۔ شاید مظفرعلی سید کی دیکھا دیکھی۔ عالی صاحب تو اب بھی دوہے لکھ رہے ہیں لیکن مظفر نے دوہے لکھنا چھوڑ دیا۔[۱۳]

دراصل، مظفرعلی سیّد کا بے پناہ علم ان کی تخلیقی قوتوں کا رہزن ثابت ہوا۔ بعض صورتوں میں کم علمی بھی نعمت بن جاتی ہے جو سیّد صاحب کو حاصل نہ تھی۔ غالب احمد نے انھیں ’’علم کی پوٹلی، گیان اور ودیا کا تھیلا‘‘[۱۴] قرار دیا ہے جب کہ انتظار حسین نے حیرانی کے عالم میں لکھا:

> یہ تو رفتہ رفتہ کھلا کہ اس نوجوان نے جو اتنی علامائی شان کے ساتھ میرے ساتھ گفتگو کرتا ہے، نام خدا چشم بددور ابھی بی اے میں قدم رکھا ہے یعنی گورنمنٹ کالج میں تھرڈ ایئر کا طالب علم ہے۔[۱۵]

اپنے بے پناہ علم کے سبب ان کی ذات میں تنقید کا اعلیٰ تر معیار اور تکمیلیت پسندی کا شدید جذبہ از خود پیدا ہو گیا تھا۔ سیّد صاحب کا تخلیقی جوہر اسی علمیت اور تکمیلیت پسندی کی نذر ہوتا رہا۔ یہی

وجہ ہے کہ انھوں نے کچھ عرصہ دوہے اور بھجن لکھ کر اس طرف سے اپنا منہ موڑ لیا۔ غالب احمد لکھتے ہیں:

> مظفر نے دوہے لکھنا چھوڑ دیا اگر میرا بائی اور دوسرے بھگتوں سے بہتر دوہے نہ لکھا کیے تو پھر لکھنے کا فائدہ۔[۱۶]

مظفر علی سیّد نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں میرا بائی کے بھجنوں کا اردو رسم الخط میں ایک مسودہ تیار کیا تھا۔[۱۷] ممکن ہے اسی کام کے زیرِ اثر ان کے ہاں دوہے اور بھجن لکھنے کی آرزو پیدا ہوئی ہو۔ انتظار حسین کے خیال میں مظفر علی سیّد نے دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی لیکن ان کا جوہر دوہے اور بھجن کی صنف میں زیادہ کھلا۔ اس حوالے سے انتظار حسین لکھتے ہیں:

> ویسے مظفر نے غزلیں بھی لکھیں [لکھی] ہیں۔ لیکن مجھ سے پوچھو تو شاعر وہ ان بھجنوں اور دوہوں ہی میں نظر آتا ہے جو اس نے ان دنوں لکھے تھے۔ یہ بے قرار روح اس صنف میں تھوڑا سا ٹک جاتی تو آج ہمیں دوہے کے لیے خالی جمیل الدین عالی پہ قناعت نہ کرنا پڑتی۔[۱۸]

دوہوں اور گیتوں کا کیا ذکر، تخلیقی سطح پر مظفر علی سیّد نے ہر صنفِ ادب سے بے وفائی کی۔ پچاس کی دہائی میں رسالہ خیال میں ان کے ناول فالتو آدمی[۱۹] کے اشتہارات دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ناول مکمل نہ ہو سکا کیونکہ بقول غالب احمد:

> موصوف نے کچھ صفحے لکھ کر اپنی تنقید کی نذر کر دیے یا پھر ڈی ایچ لارنس نے اسے آڑے ہاتھوں لے لیا۔[۲۰]

مظفر علی سیّد کے ہاں جب بھی بے تاب تخلیقی امنگ زور آور ہوتی تھی تو اس کا اظہار عموماً منظوم صورت میں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ رسالہ فنون کے ایک شمارے[۲۱] میں ان کی نو غزلیں اکٹھی شائع ہوئیں۔ کراچی میں قیام کے دوران میں افکار سے ربط ہوا تو تنقیدی مضامین[۲۲] کے علاوہ ان کی شاعری[۲۳] بھی اس رسالے میں نظر آنے لگی۔ پشاور کے دو ادبی جرائد[۲۴] میں بھی ان کی شعری تخلیقات شائع ہوئیں۔ فارسی میں بھی ان کی ایک آدھ غزل شائع ہوئی۔[۲۵] فنون اور افکار کے علاوہ راوی اور ادبِ لطیف میں بھی ان کی اردو غزل دکھائی دیتی ہے۔[۲۶] فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان کو بھی اظہار کا وسیلہ بنایا۔[۲۷] ہندی لب و لہجے میں گیتوں کے علاوہ اردو میں ان کی نظمیں شائع

ہوئیں۔[۴۸] ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۳ء تک کا مختصر عرصہ (طالب علمی کا دور) مظفر علی سیّد کے دوہوں اور گیتوں کے حوالے سے زرخیز نظر آتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک طرح سے دوہے اور گیت لکھنا چھوڑ دیا تھا۔

....

ذیل میں مظفر علی سیّد کے مطبوعہ دوہوں اور گیتوں کی فہرست اور متن پیش کیا جاتا ہے۔ اس مقالے میں مظفر علی سیّد کے صرف ان دوہوں، بھجن اور گیتوں کا متن دیا جا رہا ہے جو ہندی لب و لہجے کے عکاس ہیں۔ ان کی دیگر شعری تخلیقات کے لیے دیکھیے: حواشی نمبر ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶۔

فہرست

نمبر شمار	عنوان	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۱۔	دوہے (تیرہ)	راوی جلد۴۴، شمارہ۳، گورنمنٹ کالج لاہور	(مئی ۱۹۵۱ء): ص۲۷۔
۲۔	دوہے (چھ)	ادبِ لطیف، لاہور	(اکتوبر ۱۹۵۱ء): ص۳۶۔
۳۔	دوہے (چھ)	راوی جلد۴۵، شمارہ۳، گورنمنٹ کالج لاہور	(مارچ ۱۹۵۲ء): ص۸۳۔
۴۔	دوہے (چھ)	راوی (صد سالہ جشن کی خصوصی اشاعت) جلد۵۸ شمارہ۳	(۱۹۶۴ء): ص۳۹۵۔
۵۔	گیت (جیون پیارا......)	راوی جلد۴۵، شمارہ۱، گورنمنٹ کالج لاہور	(نومبر ۱۹۵۱ء): ص ۱۳۹—۱۴۰۔
۶۔	گیت (بھاگ مسافر، بھاگ یہاں سے......)	راوی جلد۴۵، شمارہ۲، گورنمنٹ کالج لاہور	(جنوری ۱۹۵۲ء): ص۲۷۔
۷۔	گیت (اب کا ہے بھجن کرو)	راوی جلد۴۶، شمارہ۱، گورنمنٹ کالج لاہور	(نومبر ۱۹۵۲): ص۳۰۔
۸۔	دھیان کی مایا دیکھو	ماہنامہ خیال مکتبۂ خیال، لاہور	(جنوری ۱۹۵۳ء): ص۲۷۔

۹۔	لہریں، من ساگر کی لہریں	ماہنامہ خیال مکتبۂ خیال،لاہور	(مارچ ۱۹۵۳ء):ص ۸۰۔
۱۰۔	جاری (پریم جاری، شاہ جی......)	راوی جلد ۴۶،شمارہ ۳، گورنمنٹ کالج لاہور	(مئی ۱۹۵۳ء):ص۱۰۱۔
۱۱۔	گیت (دیوالی کی جوت جگا لو......)	............................ایضاً............................	(مئی ۱۹۵۳ء):ص۱۰۳۔
۱۲۔	ایضاً (ناری سے من لایئے......)	راوی جلد ۴۶،شمارہ۴، گورنمنٹ کالج لاہور	(جون ۱۹۵۳ء):ص ۲۸۔
۱۳۔	ہوری	سویرا شمارہ ۱۰—۱۱،لاہور	(سن ندارد):ص ۲۳۹۔
۱۴۔	جب بھوک لگی	افکار کراچی	(جنوری ۱۹۵۸ء):ص۲۲۔
۱۵۔	میٹھے پھل کی شردھا	افکار کراچی	(اکتوبر ۱۹۵۸ء):ص۳۰۔
۱۶۔	سہاگ کا گیت	ادبِ لطیف لاہور	(اگست۱۹۹۴ء)

دوہے

نگری نگری گھوم کر چھین کریں ہر روج
رشتے ناتے دیس کے، اپنے من کا بوجھ

......

میری مانو شاہ جی، اس پوتھی آگ لگاؤ
ٹکٹ کٹا کے ریل کا، سیدھے متھرا کو جاؤ

......

پوتھی سے توات بھلی، رنگ رنگ کی نار
اس بدیا کے کارنے، کیوں چھوڑیں سنسار

......

کچھ تو کیجیے شاہ جی، جو ڈوبی ناؤ ترے
بیٹھ رہو گے کب تک یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے

......

اپنے من کی آگ میں کچھ پھول کھلا، ناداں
ماس جلا کے جل بجھے، شمشان کی آگ سمان

......

پریم کا منتر دیکھیے رہے جو رات کو پاس
روم روم میں رچ گئی کومل تن کی باس

......

سپنوں کی دنیا بھلی اس پتیم کے سنگ
اس دنیا کی ریت میں، نکست ناہیں امنگ

......

لوک لاج کی مار بھی کیسی انوکھی مار
بسر گئی سدھ پریم کی، من سے بھولی نار

......

سپنوں میں لرجا کروں، من مارے موج ترنگ
سارا تن جاگو سکھی، جب لاگو انگ سے انگ

......

پھیکی، سیٹھی، کھٹ مٹھی باس تو سب کے پاس
نئی نویلی نار کی، نئی نویلی باس

......

لالن آج بھی آ چکے، مجھ کو بھی پرکھ
پولن سیج بچھائے کے، اب انکھیوں برکھا دیکھ

......

کہا کروں تو سے سکھی، پیت انوکھا کھیل
اک پل میں ہو جات ہے پتیم تی کا میل

......

پتیم نے، سکھی، چھوڑ کر اک اور جلائی جوت
بھولی بسری پیت کا کس کو پالن ہوت[49]

....

مظفر علی سید

دوہے

شاہ جی تم تو فقیر ہو کیوں دل کو لگایو روگ
ساتو پی کر سو رہو اور ڈھونڈو پریم نیوگ

......

جوگی لوبھ نہ کیجیو پیت کا رہے کھیال
تن من تجیو پیت میں، لیجو جوگ سنبھال

......

ناگا جوگی، شاہ جی، ڈھونڈے ہے من ہرن
نا کوئی چدر گیروی نا کوئی کالا برن

......

جس پیچھے سادھو بنے جس کھاتر چین دیو
پوچھت ہے وہ من ہرن کس کارن جوگ لیو

......

اپنے جوگ میں شاہ جی آپ کرو ہری سیو
نا کوئی برن پچھانیو، نا کوئی گورو دیو

......

کس کارن اس دیس میں تن من دے ہو کھوۓ
جو کوئی وان ہو سو اپراڈھی ہوۓ[30]

....

مظفر علی سید

دوہے

کچھ تو کہیے، شاہ جی، کیوں اپنا آپ گنواؤ
من کی آگ بجھے نہیں، تن کی آگ بجھاؤ

......

پیٹ کی بھیک نہ مانگیو، چاہے جلے سریر
مانگن مرن سمان ہے، کہہ گئے بھگت کبیر

......

بھوک ستاوے رات دن، مانگے لاجوں مریں
ایسے لوگ کہاں گئے، جو بن مانگے دھریں

......

بھوک مٹے نہیں، شاہ جی، مانگ مانگ کر کھائیں
آگ لگے اس شہر کو جس شہر میں صاحب نائیں

......

دھوتی دیکھے، آ کہے: ”سادھو جی، آ دیس“
جیسے بھی ساجن ملے، ویسا کرنا بھیس

......

دوہے لکھ لکھ شاہ جی، کیوں اپنا آپ جلاؤ
گوری سے جا کر ملو اور اس کا من پگھلاؤ[۳۱]

....

دوہے

گوری درپن دیکھ کر، گھڑی گھڑی مسکائے
مورکھ اپنے آپ کو، کوس کوس رہ جائے

......

کام بھرے جی میں سکھی، روپ سجن کو دیکھ
ان نینوں کا ہر گھڑی، جگ میں بھی بسیکھ

......

ہنسی مزاخ کی بات پر، اپنی جان جلاؤں
جھوٹی کو سچی کہوں، اور آپ ہی ڈر ڈر جاؤں

......

اس پاپی کے ہاتھ سے، کون اب مجھے بچائے
میئں تو بیری بھئے منوا ٹوہ لگائے

......

بھور سے، اٹھ کر سکھی، چھت پہ کھڑی ہو جاؤں
نئے سرے سے لال کی، ہر دن آس لگاؤں

......

آنکھ لگے تو سانورا، کہیں سپنوں میں آ جائے
نندیا نیاری نیہ کی، میئن نہیں سمائے[۳۲]

....

گیت

جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

رس کا لوبھ لگانے آئے، سندر دیس کے باسی
کوملتا کی چادر تانے جگ جگ ملی اداسی
موڑ موڑ پہ بیر بپھارے ڈگر ڈگر سر مارا
جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

سمرن چھوڑ لگائی خوشبو، رام دیا نہیں پائی
تن من میلا کر کے چھوڑا، دھولی نئی جمائی
راس رچائی نئے ڈھنگ سے پہلا بھیس اتارا
جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

رام بھروسے جینا ٹھہرا، جی کا کس بل کھوئیں
روگ لگا کر اٹھ پھیرا ساجن، کیا جاگیں کیا سوئیں
من کی آنکھیں کھو کر دیکھا، چھوں اور اندھیارا
جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

چھوٹے دانوں کی مالا بھی جپتے جپتے چھوٹی
برے کام پہ ہاتھ اٹھایا اپنی قسمت پھوٹی
پیچھے بات بگاڑی تم نے، پہلا دوش ہمارا
جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا[۳۳]

....

مظفر علی سید

گیت

I am here fighting with ghosts both within and without. IBSEN, ghosts

بھاگ مسافر، بھاگ یہاں سے یہ بھوتوں کا ڈیرا
اس بستی کے رہنے والے منتر سدا چلائیں
پچھل پیریاں حور بنی، راتوں کو آن ڈرائیں
چھوں اور اس نگری میں جادو نے جال بکھیرا
بھاگ مسافر بھاگ یہاں سے یہ بھوتوں کا ڈیرا

لوک لاج کا ڈھونگ رچائیں، اپنا کام سنوار
باھر راکھیں پریم کوی کو پردے چلون ڈار
طاق طاق پہ دیپ جلائیں، من میں گھور اندھیرا
بھاگ مسافر بھاگ یہاں سے یہ بھوتوں کا ڈیرا

یہ کٹیا جو نظر پڑے ہے، سندر اور چپ چاپ
شور بنا یہاں مچی رہے ہے نسدن آپا دھاپ
ترت چلو اس پاپ دیس سے کچھو ناہیں بیرا
بھاگ مسافر، بھاگ یہاں سے یہ بھوتوں کا ڈیرا[۳۴]

....

مظفر علی سید

گیت

اب کاہے بھجن کرو
اپنے من پر بیت چکی ہے، بپتن ہماری
جوبن مدھ میں مست رہو تم، او متواری
کس کارن پرائی چوکھٹ پر
اپنا سیس دھرو
اب کاہے بھجن کرو

جس پریمی سے لیو بچائے، اپنا تن من
دیوی دیوتا کیا دیں اس کو تیرے کارن
روکھی سوکھی پراتھنا سے
کیوں ان کی گود بھرو
اب کاہے بھجن کرو[۳۵]

....

موج دریا

(یہ بھجن بلاعنوان موج دریا کے قلمی نام سے شائع ہوا)

دھیان کی مالا دیجو ...... سیام جی
دھیان کی مالا دیجو

جگت گرو، میرا گیان بھی اوگن پلٹ سکے نہ کایا
روپ انوپ کی دھوپ جلائے، ملے نہ شکتی چھایا
دیا کا کارن کچھو ...... سیام جی
دھیان کی مایا دیجو

گلی گلی میں شام سویرے پھر پھر جوگ سنایا
جا کے کارن سادھو ہوئے وا کا بھید نہ پایا
جی کی بتھا سن لیجو ...... سیام جی
دھیان کی مایا دیجو

دان ملے تو لیا نہیں جائے لاج رہے سمجھائے
روپ کی مایا بھائے نا ئیں من بھی میلا کیا نہیں جائے
دان پے نہیں رنجھو ...... سیام جی
دھیان کی مایا دیجو[۳۶]

....

موج دریا

لہریں، من ساگر کی لہریں
گہری تہ سے اچھل اچھل کر اونچے محل ڈبو دیں

آشاؤں کے محل دو محلے، گیان مان کی چٹانیں
بہتا پانی مست چال میں کیا اب کو پہچانے
اپنا کایا روپ بدل کر، پگھل پگھل کر روئیں
لہریں، من ساگر کی لہریں
گہری تہ سے اچھل اچھل کر اونچے محل ڈبو دیں

جگت بھیا سب پانی پانی، دھرتی جل تھل ساری
ایک ہی بہتے نشے کی دھارا، ایک ہی دھن متواری

بڑھتے بڑھتے بھو منڈل کو اپنے بیچ سمو دیں
لہریں، من ساگر کی لہریں
گہری تہ سے اچھل اچھل کر اونچے محل ڈبو دیں[۳۷]

....

مظفر علی سیّد

ہوری

کھیل کھیل کر چھوری
ہم نے
ہوری رنگ بھری
من ہی من میں رنگ بساویں، مل کر برج چلیں
سانوریا کے درشن پاویں، کاہے بیٹھے جلیں
آنگن میں پچکار چلاویں، منہ پہ گلال ملیں
نینن میں، سکھی، دھوم مچاویں، کھیلیں من کی ہوری
ہم نے، کھیل کھیل کر چھوری
ہوری رنگ بھری

تیاگ کا بھیس اتارا، سکھی ری، کم کم بندیا لگائیں
لال ہمارا، کھلار بنتے ہیں، ہم کاہے شرمائیں
انگ بھجیں رس رنگ میں، آئی، رین دنا
کیسر عطر ملے بھر بھر جھوری، ساجن دوار چلو ری
ہم نے کھیل کھیل کر چھوری
ہوری رنگ بھری[۳۸]

....

مظفر علی سید

جواری

پریم جواری، شاہ جی، بازی بڑی لگائے
تم کیا جیتو، ہاریو ...... تن من رہو بچائے

وہ اک بازی جیت کے ہاتھ کو لیوے روک
ڈرے چھچھورا ہار سے، بات کرے وہ ٹوک

پریم جوئے میں، شاہ جی، اندھا داؤں لگاؤ
تھوڑا سا کیا جیتا، کچھ کھووو کچھ پاؤ

وہ اک بازی جیت کے، چین ذرا نہ آئے
نشہ جواری آ چڑھا، ہارے بنا نہ جائے

جب تک سانس ہے، شاہ جی کاہے کرو وچار
جوے جیت کی آس پر، کھا کے چلو ادھار

بازی بڑی لگائیو، ہونی ہو سو ہوئے
آن گنوا لی پیت میں، آپ جگ میں آور کھوئے

ارے جواری باورے، پل پل داؤ لگائے
اور گنوائے ہاتھ سے، ہار سکی نا جائے

پانسا پلٹ دکھا گئے، ہر دے داؤ لگا لے
پھڑ بازوں کو لوٹنے، نئے کھلاڑی آئے

پھڑ بازوں سے بھاگیو، لوبھ کو کرو سلام
جیتا مال بچاونا، کسی کسی کا کام

جیتا مال لگاوتے، تھر تھر کانپے ہات
یا سارا دھن آنیو، یا پھر ساری رمات

دھن کھویا، تن من تجا، اب ہار بڑوں کا نام
پریم جوا جو جیت لے، تس کے باندھ گلام

ایسا جواری، جو پھڑبازوں پہ تھرتھری لائے
پانسا پلٹ سکے نہ کوئی، چاہے دیپ بجھائے
جو چاہو کرتا رہو، اپنی جیت نہ مات
کھیل کا پانسا، شاہ جی، بڑے کھلاڑی مات[۳۹]

....

مظفر علی سید

دیوالی کی جوت جگا لو......

دیوالی کی جوت جگا لو ...... اپنے من میں

ہارے جواری پچھلے سال کے ...... نئی امنگیں لائے
کسی سادھ کے چرن چاٹ کے اشر واد لے آئے
تم بھی وہ اک داؤں لگا لو ...... شبھ لگن میں
دیوالی کی جوت جگا لو ...... اپنے من میں

دیپ جلے کونے کونے میں، جگت بھیا اجیارا
پھڑبازوں نے کوٹھریا کو لیپ پوت کے سنوارا

تم بھی نینن نور بسا لو ...... اس درپن میں
دیوالی کی جوت جگا لو ...... اپنے من میں

ہاتھ لگی کی جیون مایا، بڑھ بڑھ داؤ لگا لو
سوچ میں ڈوبے کیا سکھ پایا، روگ مٹے تو مٹا لو
پچھلی ہار کی کسر نکالو ...... نئے چلن میں
دیوالی کی جوت جگا لو ...... اپنے من میں[۴۰]

....

موج دریا

افمی

ناری سے من لایئے، جیون پوتھی ودوان
آٹھ پہر من میں بسے، سوئے جاگے دھیان

سپنوں کی دنیا بھلی، اس پریتم کے سنگ
اس دنیا کی ریت میں، نکست ناہیں انگ

سپنوں میں لرجا کروں، من مارے موج ترنگ
سارا تن جاگو سکھی، جب لاگو انگ سے انگ

رہے وہیں حیران سے، آنکھیں کھول اک بار
برج پری کو دیکھ کے سینے ٹوٹی تار

سانجھ گنوائی سوچ میں، پینگ کھوئی رات
سپنا بھولا، شاہ جی، منجت رہے بات

انا گے جب سے، سکھی، کہیں نت رام رحیم
اٹھت سکیں نہیں آپ سے، ہاڈوں ہاڈ افیم

رتی بھر چنیا بیگم نے پیاس بجھائی تیری
گگن منڈل کی سیر سہاوے، بھاوے رات گھنیری
تگر چاندنی کھلی باورے، لاؤ نیا کھٹ راگ
جاگ افیمی جاگ

وش گولی میں نینن پانی گھول گھول تن گالا
کیا اتنی سی بات پہ رنجھو، بیو ہلاہل پیالا

جا گے دیس میں وہ اک پل کی پینک تیرا بھاگ
جاگ افیمی جاگ[۳۱]

....

موج دریا

میٹھے پھل کی شردھا

تم مورتی ہو، کس دیوی کی، میں جس کی پوجا کرتا ہوں
کیا کتھا کیرتن، وہ ہے کبت، کیا بھجن آرتی گاتا ہوں
کیا بھولے بسرے گیت جگل، کیا سکھ سنگیت سناتا ہوں
دکھ درد ملا کر، چرنوں میں ہرل کی دھونی دھرتا ہوں

تم اندر لوک کی اپسرا ہو، یا برمہا کنڈ کی دیوی ہو
کوئی رنگ نہیں میری آنکھوں میں، من میں اک روپ تمھارا ہے
کوئی سپن نہیں میری پلکوں میں، اک تیرا روپ سہارا ہے
کوئی کھوٹ نہیں اس کے گھٹ پہ، جو نس نس کھرا پجاری ہو

تیرے چرنوں کو میرا ہاتھ لگے تو پاؤں کو سرکاؤ نہیں
اپنے دل کی اکساہٹ سے، تیرا پتھر دل دھڑکاؤں میں
یا بندگی سے ہونٹوں تک کوئی میٹھا پھل لے جاؤں میں
میری شردھا سے مکھ موڑو نہیں اور چور بدن کو لجاؤ نہیں

یونہی پوجا پاٹھ کے مندر میں تیوہار منائے جاتے ہیں
تم دیوی ہو، پر دیوی کو بھی پھول چڑھائے جاتے ہیں[۴۲]

....

مظفر علی سیّد

سہاگ کا گیت

چندن مانگ بسو...... ری دلہنیا
چندن مانگ بسو

سکھ سمپت کا ہے سہانا، ہنس ہنس جگ میں بتاؤ

پیت سے بھی دھیان میں راکھو انت کو کیوں پچھتاؤ
رہے پیت کا من میں ٹھکانا، ایسی ریت کرو ......

ری دلہنیا ......چندن مانگ بسو

موتی پیّیں کے مانگ بھری رہے، بالک گود ہری
بھاگ سہاگ بھگوان بنا دے، ملیو پیت کھری
ساجن سنگ نبھی رہے جگ میں لوکن لاج بنو

ری دلہنیا ......چندن مانگ بسو[۴۳]

فرہنگِ متن

مظفر علی سیّد کے جن دوہوں، گیتوں اور بھجنوں کا متن دیا گیا ہے، ان میں ہندی کے زیادہ تر الفاظ غیر مانوس نہیں ہیں جیسے: نار، من، ناؤ، کومل، پریتم، سکھی، سیج، جوت، برکھا، بھیس وغیرہ وغیرہ۔ تاہم، ان کے ہاں ہندی کے چند الفاظ قدرے نامانوس ہیں۔ ذیل میں ایسے الفاظ کے لغوی مفاہیم دیے جاتے ہیں۔اس مقصد کے لیے مندرجہ ذیل لغات کو مدِنظر رکھا گیا ہے:

۱۔ ہندی اردو لغت از راجیسور راوا صغر (لاہور: سنگِ میل کتاب گھر، ۲۰۰۳ء)۔

۲۔ جامع اللغات جلد اول (لاہور: اردو سائنس بورڈ)۔

دوہے

بدیا: علم، دانش، ہنر۔		کارنے: سبب، باعث، وجہ۔
پوتھی: پستک، کتاب، بہی، صحیفہ۔		شمشان: مردے جلانے کا مقام، مرگھٹ۔
متھرا: ایک مشہور تیرتھ گاہ کا نام جہاں سری کرشن جی تولد ہوئے۔		سمان: برابر، موافق، عزت، توقیر۔
سیو: حد، سرحد۔		روم: جسم کے باریک بال، رواں۔
نیم: نیتی، ادب۔		درپن: آرسی، آئینہ، مراۃ۔
ریکھ: تحقیق، دیکھنا۔		مورکھ: بے عقل، جاہل، احمق، گول۔
بھئے: ڈر، خوف، بیم۔		بسیکھ: خاص، امتیاز، خاصیت۔
ناگا: ننگا، سادھوؤں کا ایک فرقہ جو ننگا رہتا ہے۔		تجیو: ترک کرنا، تیاگنا۔
برن: ذات، مذہب، فرقہ، ہندوؤں کے چاروں ورن۔		اپرادھی: صاحبِ تقصیر، خطاوار، پاپی۔
ہری: پیلا رنگ، شیو جی۔		وان: مرکب الفاظ کے ساتھ رکھنا یا ہونا کے معنی دیتا ہے جیسے (گن وان، دھن وان) وغیرہ۔

گیت (جیون پیارا ......)

سمرن: دعائیں جو تسبیح پر پڑھی جاتی ہیں، ورد۔		دیا: محبت، عنایت، رحم۔

پگ: پیر، قدم، گام، پائے۔		راس: شور، غل، ہلہ۔

گیت (اب کا ہے بھجن کرو)

بھجن: لفظی معانی خدمت کے ہیں لیکن عرف عام میں خدا کی تعریف کا گیت۔		کارن: سبب، باعث، موجب۔
بیتن: کرایہ، مزدوری، اجرت، چاند، سیم۔		سیس: سر، راس، شعلۂ نار۔
جوبن مدھ: نئی جوانی، آغازِ جوانی۔		پرارتھنا: چاہنا، مانگنا، حمد، مناجات۔

لہریں، من ساگر کی

آشاؤں: آشا کی جمع، خواہش، چاہ، آرزو۔		جگت: چلنے والا، زمانہ، گیتی۔
گیان: عقل، علم، فہم۔		بھومنڈل: کرۂ ارض، دنیا۔
کایا: تن، بدن، جسم۔		

ہوری

ہوری: ہندوں کا ایک تیوہار جو پھاگن کے آخر اور بسنت رتو کی ابتدا میں آتا ہے۔		رین دنا: رات، شب، غم و اندوہ۔
برج: متھرا کا ضلع، یہ مقام سری کرشن جی کے طفلانہ کھیل کود اور ان کے مورد ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔		کیسر: زرد رنگ، زعفران، شرزہ کی گردن کے بال۔
گلال: زعفران، کیسر۔		کُم کُم: کیسر، زعفران، گلال۔

جواری

داؤں: داؤ کی جمع۔		تس: اس کے پیچھے، اس کے بعد۔
وچار: سوچ، فکر، غور۔		آور: ظاہر، نمودار، روشن۔

دیوالی کی جوت ------

سادھ: خواہش، چاہ / سادھو، سنت، زاہد۔		درشن: دیکھنا، ظاہر ہونا، ملنا، زیارت۔
چرن: پگ، قدم، پیر۔		جوت: آب و تاب، چمک، نور، چراغ کی روشنی۔

اجیارا: روشن، اجالا۔		

افیمی

وِدوان: پنڈت، عالم، فاضل، دانا۔		انزا گے: چاند کی سترھویں منزل۔
سانجھ: شام، مغرب۔		رنجھو: خوش کرنا، پیار دینا، لال رنگ کرنا۔
پینک: افیون یا پوست کے نشے کی اونگھ۔		چنیا بیگم: افیم۔
گگن منڈل: کرۂ فلک۔		

میٹھے پھل کی شردھا

شردھا: اعتقاد، ایمان، بھروسہ، آرزو۔		اندرلوک: راجہ اندر کے رہنے کا ملک یعنی بہشت۔
کیرتن: تعریف، گانا، بھجن، حمد۔		اپسرا: جنت کی رقاصہ، نہایت حسین عورت۔
کبت: شاعری۔		مہا کنڈ: پانی کا وہ چشمہ جو کسی خاص مقدس کام کے لیے معین ہو۔
آرتی: بھجن جو آرتی کے وقت گایا جاتا ہے۔ حمد، بیاہ کا ایک طریقہ۔		تیوہار: خوشی کا دن۔

سہاگ کا گیت

سمپت: دھن دولت، کامیابی، اختیار، خزانہ، جوڑ۔		بالک: شیر خوار بچہ، لڑکا، کودک۔
بپت: آفت، مصیبت، رنج، خطرہ۔		ملیہ: ایک پہاڑ کا نام جو دکن میں ہے، جہاں عمدہ صندل پیدا ہوتا ہے۔

حواشی اور حوالے

* شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور۔

۱۔ سہیل احمد خاں، سیر بین (لاہور: قوسین، ۲۰۰۰ء)، ص ۵۷۔

۲۔ مظفر علی سید کے قلمی نام 'موج دریا' کی تصدیق مجلّہ راوی جلد ۴۶، شمارہ ۴ جون ۱۹۵۳ء سے بھی ہوتی ہے۔ اس شمارے کی فہرست میں ایک نظم کے عنوان "افیمی" کے سامنے شاعر کے طور پر مظفر علی سید درج ہے جب کہ اندر کے صفحات میں نظم کے متن پر 'موج دریا' لکھا ہے۔ اس شمارے کے مدیر شہزاد احمد ہیں جو زمانۂ طالب علمی میں سید صاحب کے نہ صرف قریبی دوستوں میں شامل تھے بلکہ سید صاحب کے زمانۂ ادارت میں وہ راوی کے قلمی معاون بھی تھے۔ سید صاحب نے اپنے

زمانۂ ادارت میں ''نئے پرانے'' کے عنوان سے جن چند احباب کا تعارف لکھا ان ادبی دوستوں میں شہزاد احمد بھی شامل تھے۔

۳۔ سہیل احمد خاں، سیر بین، ص ۵۸۔

۴۔ ایئر فورس کی ملازمت سے پہلے مجلّہ جیال جنوری ۱۹۵۳ء میں مظفر علی سیّد کا ایک گیت ''دھیان کی مایا ویچ'' مجلّہ راوی نظم نمبر، جلد ۴۶، شمارہ ۳ میں پول ورلین کے نظم کا اردو ترجمہ ''چاندنی'' کے عنوان سے اور راوی ہی میں جلد ۴۶، شمارہ ۴ میں ''اپنی'' کے عنوان سے ان کی تخلیقات موج دریا کے قلمی نام سے شائع ہو چکی تھیں۔

۵۔ انتظار حسین، ''مظفر علی سید: کچھ پرانی باتیں'' مشمولہ راوی جلد ۸۷، شمارہ واحد (۲۰۰۰ء)، ص ۵۴۔

۶۔ غالب احمد ''مظفر علی سید: ایک وودان'' مشمولہ راوی جلد ۷۹، شمارہ اول (۱۹۹۲ء): ص ۳-۴۔

۷۔ مظفر علی سید کی شخصیت میں موج دریائی پہلو سے مزید آگہی کے لیے دیکھیے:

غالب احمد، ص ۴؛ نیز سہیل احمد خاں، سیر بین، ص ۵۷۔

۸۔ عرش صدیقی نے اپنے مقالے میں اردو دوہا نگاروں کے دوہوں کی تعداد کا تعین کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

جمیل الدین عالی (۳۴۵)، پرتو روہیلا (۵۹۱)، تاج سعید (۱۷۷)، مشتاق چغتائی (۲۰۰)، جمیل عظیم آبادی (۳۳۶)، عابد صدیق (۲۰)، عادل فقیر (۱۲۹)، الیاس عشقی (۷۳۰)، کشور ناہید (۳۸)، ناصر شہزاد (۷)، انوار انجم (۱۹)، وحید قریشی (۳)۔

عرش صدیقی، ''پاکستان میں اردو دوہا نگاری'' مشمولہ تکوین لاہور (۱۹۹۷ء): ص ۱۸۵۔

۹۔ عرش صدیقی، ''ماہ و انجم'' مشمولہ راوی جلد نمبر ۴۴، شمارہ ۱ (نومبر ۱۹۵۰ء): ص ۵۸-۶۰۔

۱۰۔ پاکستان میں دوہے کے حوالے سے جمیل الدین عالی نے وقیع کام کیا ہے۔ پاکستان میں اردو دوہے کی روایت ان کے سامنے کا قصہ ہے۔ اس لیے دوہے کی روایت بیان کرتے ہوئے وہ عموماً حافظے سے مدد لیتے ہیں جس کی وجہ سے اکثر اہم دوہا نگاروں کا ذکر ان کے ہاں نہیں ملتا:

> دمِ تحریر پاکستان کے جو دوہا نگار یاد آتے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں (بے تقدیم و تاخیر) پرتو روہیلہ، کشور ناہید، جمال پانی پتی، جمیل عظیم آبادی، شمس فاروقی، عالمتاب تشنہ مرحوم، آفاق صدیقی، رحمان خاور، نگار فاروقی، مشتاق چغتائی، صدیق رنجی وراب ذکیہ غزل۔

جمیل الدین عالی، ''حرفے چند'' مشمولہ دوہا ہزاری (حیدرآباد سندھ: ادراک پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص اول۔

۱۱۔ کنول ظہیر نے ''پاکستان میں اردو دوہے کی روایت'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر جی سی یونی ورسٹی، لاہور سے ۲۰۰۴ء میں ایم فل (اردو) کی ڈگری حاصل کی۔ ۲۰۰۵ء میں یہ مقالہ مذکورہ عنوان سے انجمن ترقی اردو پاکستان سے کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ ''حرفے چند'' جمال پانی پتی مرحوم نے لکھا ہے۔ بلاشبہ مجموعی طور پر یہ مقالہ عمدہ ہے۔ تاہم، دوہے کی روایت (باب دوم) اور پاکستانی دوہے پر اجمالی نظر (باب سوم) کے حصوں میں بھی مظفر علی سیّد کے دوہوں کا حوالہ موجود نہیں۔

۱۹۸۶ء میں ایم اے کی سطح پر دیبا مرتضی نے ''اردو میں دوہا نگاری'' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان سے ڈگری حاصل کی تھی۔ اس مقالے میں بھی مظفر علی سیّد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو

تحقیقی وتنقیدی مضامین کے علاوہ جامعات میں ہونے والے تحقیقی منصوبوں میں بھی سید صاحب کے دوہوں کی نشان دہی نہیں کی گئی۔

۱۲۔ نفیس اقبال کی کتاب پاکستان میں اردو گیت نگاری ۱۹۸۶ء میں سنگ میل پبلی کیشنز سے شائع ہوئی۔ یہ ان کا مطبوعہ تحقیقی مقالہ ہے۔ اس میں مظفرعلی سیّد کی گیت نگاری کا ذکر موجود نہیں۔

۱۳۔ غالب احمد،ص۳۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ انتظار حسین،ص۱۵۔

۱۶۔ غالب احمد،ص۴۔

۱۷۔ بحوالہ انتظار حسین، چراغوں کا دھواں (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)،ص۹۴۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ غالب احمد نے اپنی یادداشتوں میں سیّد صاحب کے نامکمل ناول کا نام آدھا آدمی لکھا ہے جو درست نہیں (دیکھیے: غالب احمد،ص۴۔) لاہور سے انتظار حسین کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے رسالے خیال جنوری ۱۹۵۳ء میں اس ناول کے اشتہارات چھپے تھے جن میں ناول کا نام فالتو آدمی درج ہے۔ اشتہار میں دیا گیا جملہ: ''ایک ایسے آدمی کی داستان ہے جو کبھی تہذیب کے سلسلۂ رواں میں شامل تھا مگر اب اس کی تمام قوتیں رائیگاں جاتی ہیں'' مظفرعلی سیّد کی اپنی داستان کی عکاسی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

۲۰۔ غالب احمد،ص۴۔

۲۱۔ رسالہ فنون جدید غزل نمبر، جلد ۸، شمارہ ۳۔۴، لاہور (جنوری ۱۹۶۹ء) میں مظفرعلی سیّد کی جو غزلیں شائع ہوئیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

سنیے پیامِ شمس وقمر، رقص کیجیے
قطرے میں بھی چھپے ہیں بھنور، رقص کیجیے
دشتِ سیہماں میں کانٹے
ہر ایک راہ سے آگے ہے خواب کی منزل
کیا غم، جو فلک سے نہ اترا کوئی سرِ خاک
جوانی بھر اس قدر مستیاں
بہت نحیف ہے طرزِ فغاں، بدل ڈالو
سید تمھارے غم کی کسی کو خبر نہیں
کون کہتا ہے مصیبت پہ کبھی ماتم نہ کر

۲۲۔ کراچی میں قیام کے دوران افکار سے تعلق قائم ہوا تو اختر حسین رائے پوری اور آذرزوبی کے لیے مخصوص شماروں میں ان کی تحریریں باقی تحریروں سے ممتاز تھیں۔ بحوالہ شکیل احمد خاں، سیر بین،ص۲۶۔

۲۳۔ افکار میں مظفرعلی سیّد کی شائع ہونے والی شاعری کی تفصیل حسب ذیل ہے:

''جب بھوک گی......''، مشمولہ افکار (جنوری ۱۹۵۸ء): ص۲۲-۲۳۔

''میٹھے پھل کی شردھا''، مشمولہ افکار (اکتوبر ۱۹۵۸ء): ص۳۹۔

''شہادت کی شکلیں''، مشمولہ افکار (فروری ۱۹۶۷ء)۔

''قلم، میرا نیزہ''، مشمولہ افکار (ستمبر ۱۹۶۷ء)۔

''سرطرف سخن''، مشمولہ افکار (مارچ ۱۹۸۰ء)۔

''کام کوئی تو کبھی وقت سے آگے کر جا''، مشمولہ افکار (دسمبر ۱۹۶۷ء)۔

۲۴۔ پشاور سے شائع ہونے والے کم معروف رسالے سنگ میل کے شمارہ نمبر ۵ میں سید صاحب کی ایک غزل جب کہ تاج سعید کے قند شمارہ نمبر ۲ میں ان کا ایک ''گیت'' شائع ہوا ہے۔ رسالہ قند کے شمارہ نمبر ۷ کے صفحہ نمبر ۱۲ پر سید صاحب کا ترجمہ کیا ہوا ایک کشمیری گیت شائع ہوا۔ اس گیت کو حبہ خاتون نے تحریر کیا ہے۔ چونکہ یہ رسالہ کم یاب ہے اس لیے اس گیت کا متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

حبہ خاتون

ترجمہ: مظفر علی سید

کشمیری گیت

تم نے نہ دیکھا اس کو سکھی
جو پریم کی چوٹ لگائے گیو

پوہ کے پالے میں ٹھٹھریا
ہاڑ کی دھوپ جلایا
اور ندی وانگ بہائے گیو
جو پریم کی چوٹ لگائے گیو

ایک صنوبر بن میں پایا
تیروار نے کاٹ گرایا
اور پل میں راکھ بنائے گیو
جو پریم کی چوٹ لگائے گیو

۲۵۔ مظفر علی سید بیک وقت کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ اردو، فارسی اور پنجابی میں ان کے اشعار ملتے ہیں۔ راوی جلد ۴۴، شمارہ ۴ (جون ۱۹۵۱ء) میں ان کی ایک فارسی غزل حافظ کی زمین میں شائع ہوئی جس کا متن پیش کیا جاتا ہے:

ای صبا از کشش آں دشمن جانی بمں آرا

یا برای تجسم حسن بیانی بمں آرا

ایں نوا ھای تو فرسودہ و پا افتادہ است

اے دل مردہ من، تازہ فغانی بمں آرا

شعر اگر حاصل عمر تو نباشد حیف است

خاک بہ سر قلن و سوز جھانی بمن آرا
ای جوانان چمن را گل پژ مردہ دھی
بہر تسکین جگر، تازہ جھانی بمی آرا
بسکہ در کوی کسی پای مرا رہ نبود
این دعا می کنم: "آں راحت جانی بمی آرا"
اوفتادہ بزمیں مصرع حافظ خوانم
"ای صبا نکہتی از کوی فلانی بمن آرا"

حافظ شیرازی کی زمین میں کہی گئی اس غزل کا مطلع ہے:

ای صبا نکہتی از کوی فلانی بمی آر!
زار و بیمار، غمم راحت جانی بمی آر!

راوی میں سیّد صاحب کی غزل میں ٹائپ کی غلطی موجود ہے۔ دیوانِ حافظ میں اس غزل کی ردیف کے بعد فجائیہ کی علامت درج ہے۔ راوی میں اسے الف ٹائپ کیا گیا ہے۔

دیکھیے: دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی باہتمام محمد قزوینی، دکتر قاسم غنی (تہران: کتاب خانہ زوار، چاپ سینا)، غزل نمبر ۲۲۸، ص ۱۲۸۔

۲۶۔ ادبِ لطیف شمارہ اپریل ۱۹۶۳ء میں مظفر علی سیّد کی ایک غزل شائع ہوئی ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے: "میرا کوچہ خدا نصیب کرے" جب کہ ان کی ایک اور اردو غزل راوی جلد ۴۴، شمارہ ۴ (جون ۱۹۵۱ء) کے صفحہ نمبر ۷ پر شائع ہوئی جس کا مطلع ہے:

گلیں گے راہ میں کتنے ہی ماہ و سال مجھے
قدم قدم پہ رلاتا ہے اپنا حال مجھے

۲۷۔ پنجابی زبان میں مظفر علی سیّد کا ایک گیت راوی جلد ۴۵، شمارہ ۳ (مارچ ۱۹۵۲ء) کے صفحہ نمبر ۱۴۲ پر شائع ہوا، جس کا متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

گیت

وس پیا میرا موذیاں دے نال
آپے ای میں رووال، تے آپے ای کرلاواں
گل وچ پھکاں نوں میں آپے پھائی پاواں
دل دے نیانے نوں میں کنج پرچاواں
دکھڑا سناتا وی تے ہویا اے محال
وس پیا میرا موذیاں دے نال

دنیا جہانے تھوڑی چیز اے رُلّی
اِس اُنہی نگری وچ کے سیر ہلّی
درد ولی گل وی نہ سندا اے کوئی

سجناں نوں جگ وچ اپنا خیال
وس پیا میرا موڑیاں دے نال

کنوں جا وساں، میرے لوں لوں پریت
بند ہو جائے نہ اے اکھ والی جھیت
کدے وے پچھے نیچرے نے ہوٹاں اتے گیت

رُتو رت کنداں اتے وتی ہوئی نال
وس پیا میرا موڑیاں دے نال

۲۸۔ مظفر علی سیّد کی ایک نظم "حنیف رامے کے نام، شکوہ جواب شکوہ" کے عنوان سے مجلّہ راوی جلد ۴۹ شمارہ ۲ (جنوری ۱۹۵۵ء) میں صفحہ نمبر ۴۲ پر جب کہ ایک اور نظم "جب بھوک لگی......" کے عنوان سے رسالہ افکار (جنوری ۱۹۵۸ء) کے شمارے میں صفحہ نمبر ۲۲ پر شائع ہوئی۔

۲۹۔ مظفر علی سید، "دوہے (تیرہ)"، مشمولہ راوی جلد ۴۴، شمارہ ۳ (مئی ۱۹۵۱ء)؛ ص ۴۲۔۴۳۔

۳۰۔ مظفر علی سید، "دوہے (چھے)"، مشمولہ ادب لطیف (اکتوبر ۱۹۵۱ء)؛ ص ۳۶۔

۳۱۔ مظفر علی سید، "دوہے (چھے)"، مشمولہ راوی جلد ۴۵، شمارہ ۳ (مارچ ۱۹۵۲ء)؛ ص ۸۳۔

۳۲۔ مظفر علی سید، "دوہے (چھے)"، مشمولہ راوی صد سالہ جشن کی خصوصی اشاعت، جلد ۵۸، شمارہ ۳ (۱۹۶۴ء)؛ ص ۳۹۵۔

۳۳۔ مظفر علی سید، "گیت (جیون پیارا......)"، مشمولہ راوی جلد ۴۵، شمارہ ۱ (نومبر ۱۹۵۱ء)؛ ص ۱۳۹۔۱۴۰۔

۳۴۔ مظفر علی سید، "گیت (بھاگ مسافر، بھاگ یہاں سے ......)"، مشمولہ راوی جلد ۴۵، شمارہ ۲ (جنوری ۱۹۵۲ء)؛ ص ۴۷۔

۳۵۔ مظفر علی سید، "گیت (اب کا ہے بجن کرو)"، مشمولہ راوی جلد ۴۶ شمارہ ۱ (نومبر ۱۹۵۲ء)؛ ص ۳۹۔

۳۶۔ موج دریا، "دھیان کی مایا دیکھ"، مشمولہ ماہنامہ خیال (جنوری ۱۹۵۳ء)؛ ص ۴۷۔

۳۷۔ موج دریا، "لہریں من ساگر کی لہریں"، مشمولہ ماہنامہ خیال (مارچ ۱۹۵۳ء)؛ ص ۸۰۔

۳۸۔ مظفر علی سید، "ہوری"، مشمولہ سویرا شمارہ ۱۰۔۱۱ (سنہ ندارد)؛ ص ۲۳۹۔

۳۹۔ مظفر علی سید، "جواری"، مشمولہ راوی نظم نمبر، جلد ۴۶ شمارہ ۳ (مئی ۱۹۵۳ء)؛ ص ۱۰۱۔۱۰۲۔

۴۰۔ مظفر علی سید، "گیت (دیوالی کی جوت جگا لو......)"، مشمولہ راوی نظم نمبر، جلد ۴۶، شمارہ ۳ (مئی ۱۹۵۳ء)؛ ص ۱۰۳۔

۴۱۔ موج دریا، "اُنجی"، مشمولہ راوی جلد ۴۶ شمارہ ۴ (جون ۱۹۵۳ء)؛ ص ۴۸۔

۴۲۔ موج دریا، "میٹھے پھل کی شردھا"، مشمولہ افکار (اکتوبر ۱۹۵۸ء)؛ ص ۳۰۔

۴۳۔ مظفر علی سید، "سہاگ کا گیت"، مشمولہ ماہنامہ ادب لطیف جلد ۵۹ شمارہ ۸ (اگست ۱۹۹۴ء)۔

مآخذ

اقبال،نفیس۔پاکستان میں اردو گیت نگاری۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۲ء۔

حسین، انتظار۔چراغوں کا دھواں۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔

خاں،شکیل احمد۔سبرینی۔لاہور:قوسین، ۲۰۰۰ء۔

سیّد،مظفر علی۔تنقید کی آزادی۔لاہور:دستاویز مطبوعات،سن ندارد۔

______۔''دوہے(تیرہ)''۔مشمولہ راوی جلد۴۴،شمارہ۳ (مئی ۱۹۵۱ء):ص۴۲–۴۳۔

______۔''دوہے(چھے)''۔مشمولہ ادبِ لطیف (اکتوبر ۱۹۵۱ء):ص۳۶۔

______۔''دوہے(چھے)''۔مشمولہ راوی جلد۴۵،شمارہ۳ (مارچ ۱۹۵۲ء):ص۸۳۔

______۔''دوہے(چھے)''۔مشمولہ راوی صد سالہ جشن کی خصوصی اشاعت،جلد۵۸،شمارہ۳ (۱۹۶۴ء):ص۳۹۵۔

______۔''گیت (جیون پیارا......)''۔مشمولہ راوی جلد۴۵،شمارہ۱ (نومبر ۱۹۵۱ء):ص۱۳۹–۱۴۰۔

______۔''گیت(بھاگ مسافر،بھاگ یہاں سے......)''۔مشمولہ راوی جلد۴۵،شمارہ۲ (جنوری ۱۹۵۲ء):ص۴۷۔

______۔''گیت(اب کاہے بجن کرو)''۔مشمولہ راوی جلد۴۶،شمارہ۱ (نومبر ۱۹۵۲ء):ص۳۹۔

______۔''ہوری''۔مشمولہ سویرا شمارہ۱۰–۱۱ (سن ندارد):ص۲۳۹۔

______۔''جواری''۔مشمولہ راوی نظم نمبر،جلد۴۶،شمارہ۳ (مئی ۱۹۵۳ء):ص۱۰۱–۱۰۲۔

______۔''گیت(دیوالی کی جوت جگا لو......)''۔مشمولہ راوی نظم نمبر،جلد۴۶،شمارہ۳ (مئی ۱۹۵۳ء):ص۱۰۳۔

______۔''سہاگ کا گیت''۔مشمولہ ماہنامہ ادبِ لطیف جلد۵۹،شمارہ۸ (اگست ۱۹۹۴)۔

شیرازی،خواجہ شمس الدین محمد حافظ۔دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی۔باہتمام محمد قزوینی،دکتر قاسم غنی۔ تہران: کتاب خانہ زوار، چاپ سینا۔

ظہیر،کنول۔پاکستان میں اردو دوہے کی روایت۔کراچی: انجمن ترقّی اردو، پاکستان، ۲۰۰۵ء۔

عشقی، الیاس۔دوہا ہزاری۔حیدر آباد،سندھ:ادراک پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔

موج دریا۔''دھیان کی مایا دیجو''۔مشمولہ ماہنامہ خیال (جنوری ۱۹۵۳ء):ص۴۷۔

______۔''لہریں من ساگر کی لہریں''۔مشمولہ ماہنامہ خیال (مارچ ۱۹۵۳ء):ص۸۰۔

______۔''پنچھی''۔مشمولہ راوی جلد۴۶،شمارہ۴ (جون ۱۹۵۳ء):ص۴۸۔

______۔''میٹھے پھل کی شردھا''۔مشمولہ افکار (اکتوبر ۱۹۵۸ء):ص۳۰۔